مساجد و مدارس کے چندوں پر کمیشن کا حکم
احکامِ اجارہ کی روشنی میں

(مفتی محمد نظام الدین رضوی)

(دوسری قسط)

قفیز طحان کے فساد سے بچنے کی صورتیں:

کتب فقہ میں اس فاسد معاملہ سے بچنے یا اس کو صحیح کرنے کی جو صورتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے تین یہاں بروئے کار لائی جاسکتی ہیں۔

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ بقدر ضرورت شرح کمیشن (وصولی کا فیصد) تو مقرر کر دیا جائے لیکن خاص وصولی کے روپے میں سے اجرت دینا طے نہ کیا جائے۔ پھر اگر اسی روپے سے بعد حیلۂ شرعیہ کمیشن کی ادائیگی ہو تو بھی شرعاً کوئی حرج نہ ہوگا اور اگر روپے زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کے نہ ہوں بلکہ عطیات کے ہوں تو انہیں صرف دفتر میں جمع کر دینا کافی ہے کسی حیلہ کی حاجت نہیں۔

درمختار میں ہے:

"والحيلة أن..... يسمي قفيزاً بلا تعيين ثم يعطيه قفيزا منه فيجوز"۔

جواز کا حیلہ یہ ہے کہ اجرت کی مقدار ذکر کر دے لیکن اجرت والی چیز متعین نہ کرے پھر اگر اسی عمل میں سے اجرت مقررہ دے دے تو یہ جائز ہے۔

(درمختار، ۷۹، ج ۹، باب الاجارۃ الفاسدۃ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة

قفيزا من الدقيق الجيد ولم يقل "من هذه الحنطة" أو يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد لأن الدقيق إذا لم يكن مضافا إلى حنطة بعينها يجب في الذمة، والأجر كما يجوز أن يكون مشارًا إليه يجوز أن يكون دينا في الذمة. ثم إذا جاز يجوز أن يعطيه ربع دقيق هذه الحنطة إن شاء كذا في المحيط۔اھ

(ص۴۴۴، ج۴، الفصل الثلاث في قفيز الطحان وما هو في معناه من الباب الخامس عشر)

بہارشریعت میں ہے:

''صورت جواز کی یہ ہے کہ مثلاً کہ دے کہ دوسیر غلہ مزدوری دیں گے۔ یہ نہ کہے کہ اس میں سے دیں گے پھر اگر اسی میں سے دے دے جب بھی حرج نہیں۔'' (ص۱۳۹، حصہ۱۴)

ان جزئیات سے یہ امر عیاں ہوکر سامنے آ گیا کہ اگر چندے کے روپے عطیات کے ہوں، زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کے نہ ہوں تو دفتر میں جمع کرنے کے بعد جب بھی مدرسہ کی طرف سے اجرت دی جائے گی جائز ہوگی کہ یہ ادائیگی بظاہر گو کہ اسی روپے سے محسوس ہورہی ہے، مگر اولاً: جب اس روپے سے دینا طے نہ ہوا تھا اور عقد اجارہ جائز تھا تو اب کسی بھی روپے سے اجرت دینا جائز ہوگا جیسا کہ درج بالا جزئیات سے عیاں ہے۔

ثانیاً: یہ عین چندے کے روپے سے دینا نہیں ہے کیونکہ روپے پیسے عقود وفسوخ میں متعین نہیں ہوتے جیسا کہ درج ذیل جزئیہ سے واضح ہے۔

"فإن تزوجها على ألف فقبضتها و وهبتها له ثم طلقها قبل الدخول بها رجع عليها بخمس مأة لأنه لم يصل إليه عين ما يستوجبه لأن الدراهم والدنانير لا تتعينان في العقود والفسوخ"۔

مرد نے عورت سے ہزار روپے مہر پر نکاح کیا، عورت نے اس پر قبضہ کر کے شوہر کو ہبہ کر دیا۔ پھر شوہر نے اس کے ساتھ خلوت و یکجائی سے پہلے ہی

طلاق دے دی تو وہ عورت سے پانچ سو روپے واپس لے گا کیونکہ اسے مہر کے ذریعہ اصل وہ روپے نہیں ملے ہیں جن کا یہ مستحق ہے اس لئے کہ درہم و دینار (روپے پیسے) عقود وفسوخ میں متعین نہیں ہوتے۔

(ہدایہ، ج ۲، ص ۳۲۸، باب المہر)

رہ گئے صدقات واجبہ مثل زکوٰۃ وصدقۂ فطر وغیرہا تو حیلہ شرعیہ کے بعد اس طرح کے روپے سے بھی کمیشن دینا جائز ہونا چاہئے کیونکہ حیلہ شرعی کے ذریعہ اصل مالک کی ملک ختم ہو جاتی ہے اور روپے فقیر کی ملک میں چلے جاتے ہیں۔ پھر وہ مدرسے کو چندہ دیتا ہے تو انجام کار یہ بھی چندہ ہو جاتا ہے۔ بلفظ دیگر شرعی نقطۂ نظر سے ملک کے بدلنے سے شئی کا عین بھی حکماً بدل جایا کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ صحیحین وغیرہ میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ کی آزاد کردہ لونڈی یا مکاتبہ حضرت بریرہ صدقہ کا گوشت پکا رہی تھیں، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس میں سے کچھ تناول فرمانا چاہا تو عرض کی گئی کہ وہ حضرت بریرہ کو صدقے کے طور پر دیا گیا ہے۔ فرمایا: "هو لها صدقة ولنا هدية" یہ گوشت بریرہ کیلئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے اس کی طرف سے ہدیہ اور تحفہ ہے۔ (صحیح بخاری شریف، ص ۲۰۲، ج ۱، کتاب الزکوٰۃ باب اذا تحولت الصدقة۔ صحیح مسلم شریف، ص ۳۴۵، ج ۱، کتاب الزکوٰۃ، باب اباحة الهدية للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وبنی هاشم۔ طحاوی شریف، ص ۳۳۴، ج ۱، باب الصدقة علی بنی هاشم من کتاب الزکوٰۃ)

اس حدیث کے ذیل میں حضرت علامہ احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

"أن تبدل الملک یوجب تبدل العین حکمًا فإذا کان العبد مملوکًا للمالک کان شخصًا آخر، ثم اشتراه الزوج کان شخصًا آخر، و إذا سلمه إلیها کان آخر، والحجة فی هذا الباب أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم دخل علی بریرة یومًا، فقدمت إلیه تمرًا وکان القدر یغلی فقال علیه السلام: ألا تجعلین لنا نصیبا من اللحم، فقالت: یارسول الله إنه لحم تصدق علی، فقال علیه السلام لک صدقة ولنا هدیة، یعنی إذا أخذته

من المالک کان صدقة علیک و إذا اعطیتهٔ ایانا تصیر هدیة لنا. فعلم أن تبدل الملک یوجب تبدلا فی العین. وعلی هذا یخرج کثیر من المسائل۔اھ۔(نور الأنوار،ص۴۱،مبحث الأمر)

ہدایہ کتاب المکاتب میں ہے:

قال (محمد فی الجامع الصغیر) وما أدی المکاتب من الصدقات إلی مولاه ثم عجز فهو طیب للمولی لتبدل الملک. فإن العبد یتملکه صدقة والمولیٰ عوضا عن العتق. و إلیه وقعت الإشارة النبویة فی حدیث بریرة: "هی لها صدقة ولنا هدیة"...... ونظیره المشتري شراءً فاسدًا إذا أباح لغیره لا یطیب له ولو ملکه یطیب اھ۔ (ص۳۲۳، ج۳، باب موت المکاتب و عجزه)

عنایہ میں:

"لتبدل الملک" کے تحت ہے: و تبدل الملک کتبدل العین اه، کذا فی الحاشیة۔

درایہ میں ہے:

حدیث "هو لها صدقة ولنا هدیة" فی قصة بریرة متفق علیه من حدیث عائشة۔

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

"لتبدل الملک" أي: لتغیر الملک بتغیر السبب...... ولیس المراد منه التبدل حقیقة بأن یراد تبدل الذات و إنما المراد التبدل الحکمی فافهم۔ (البنایہ شرح الہدایہ،ص۷۴۳، ج۳، کتاب المکاتب) هکذا فی الدر المختار و حاشیة ردالمحتار فی نفس الباب۔

صدقات واجبہ میں جب تک حیلۂ شرعیہ نہ ہو جائے ان میں کوئی تصرف کرنا شرعاً جائز نہیں اس لئے عین صدقات کی رقوم سے اجرت کے دینے یا لینے

کی کوئی صورت نہیں۔ سوا اس کے کہ کوئی ناخدا ترس بغیر حیلۂ شرعیہ کرائے دے دے یا محصل از خود لے لے، اسے تو کوئی جائز نہیں کہتا۔

جہاں تک اس بے بضاعت کی معلومات کا تعلق ہے اب عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ وصولی کے لحاظ سے اجرت کا تعین ہوتا ہے لیکن یہ نہیں طے ہوتا کہ خاص وصولی ہی کے روپے میں سے کمیشن دیا جائے گا، اور نہ ہی کسی سفیر یا مہتمم کی یہ منشا ہوتی ہے کہ خاص اسی روپے میں سے اجرت لی، یا دی جائے گی مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ جتنی بھی وصولی ہوگی اس کا ۲۰ یا ۳۰ فیصد مثلاً کمیشن ہوگا لیکن خاص اسی روپے میں سے ادائیگی بھی ہوگی یہ کسی کا مقصد نہیں ہوتا۔ اس لئے اب اس اجارہ کے جواز بقدر ضرورت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ تاہم احتیاط یہ ہے کہ لفظوں میں بھی یہ صراحت کر دی جائے کہ اجرت کا حساب تو کام کے لحاظ سے ہوگا مگر مہتمم کسی بھی رقم سے کمیشن دے سکتا ہے۔

(۲) دوسری صورت جو پہلی سے آسان تر ہے یہ ہے کہ محصل کا تقرر مدرسہ کی انتظامیہ نہ کرے بلکہ قاضی شریعت ایک عامل کی حیثیت سے اس کا تقرر کرے جسے قرآنِ حکیم نے زکوٰۃ کے مصارف سے شمار کیا ہے۔ ارشاد باری ہے: انما الصدقٰت للفقراء والمسکین والعاملین علیھا۔ زکوٰۃ فقراء ومساکین اور عاملین کے لئے ہے۔

(آیت میں اس کے بعد دوسرے مصارف بھی شمار کئے گئے ہیں)۔

مجدد اسلام امام احمد رضا قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں:

''عاملِ زکوٰۃ جسے حاکم اسلام نے ارباب اموال سے تحصیل زکوٰۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے تو بحالت غنی بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے اگر ہاشمی نہ ہو۔'' (فتاویٰ رضویہ، ص ۴۶۵، ج ۴)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ومنھا العامل وھو من نصبه الإمام لاستیفاء الصدقات والعشور. کذا فی الکافی. ویعطیه ما یکفیه و أعوانه بالوسط مدة ذھابھم وإیابھم ما دام المال باقیًا إلا إذا استغرقت کفایته الزکوٰة فلا یزاد علی النصف کذا فی البحر الرائق۔

زکوٰۃ کا ایک مصرف عامل ہے اور یہ وہ شخص ہے جسے حاکم اسلام نے صدقات اور عشر کی وصولی کے لئے مقرر کیا ہو (ایسا ہی کافی میں ہے) عامل

کو حق المحنت اتنا دیا جائے جو اس کے وصولی پر جانے اور آنے کی مدت تک متوسط طور پر اس کو اور اس کے مددگاروں کو کافی ہو لیکن اگر اس کے اخراجات اس کی وصولی کا سارا مال دینے پر پورے ہوں تو آدھے سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔ ایسا ہی بحر الرائق میں ہے۔

(ص ۱۸۸، ج ۱، الباب السابع فی المصارف)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(وعامل فیعطی) ولو غنیًا لا هاشمیًا (بقدر عمله) ما یکفیه و أعوانه بالوسط، لکن لا یزاد علی نصف ما یقبضه۔ اھ ملخصًا۔

عامل کو اس کے کام کے لحاظ سے اتنا دیا جائے جو اوسط خرچ سے اس کے اور اس کے مددگاروں کے لئے کافی ہو اگر چہ وہ غنی ہو لیکن ہاشمی نہ ہو۔ ہاں جتنی رقم وصول کر کے لایا ہے اس کے نصف سے زیادہ نہ دیا جائے۔ (تنویر الأبصار و درمختار فوق ردالمحتار، ص ۵۹، ۶۰، ج ۴، باب المصارف)

اس صورت میں محصلین ''اجیر'' کے بجائے ''عامل'' کے نام سے موسوم ہوں گے اور خاص مال زکوٰۃ سے بھی انہیں گزارے کے لائق حق المحنت دینا، لینا جائز ہوگا۔ گو کہ وہ غنی ہوں۔

مسلمانوں کے زوال و پستی کے اس عہد میں کہ حاکم اسلام نہیں پایا جاتا اور پورے ملک کا کسی ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے مسلمانوں کا ''امیر شریعت'' اعلم علمائے بلد ہے جو اپنے شہر کے سنی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ مرجع فتویٰ ہو۔ فتاویٰ رضویہ میں حدیقہ ندیہ سے ہے:

إذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایة فالأمور مؤکلت إلی العلماء ویلزم الأمة الرجوع أليهم ویصیرون والاةً. فإذا عسر جمعهم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فإن کثرو فالمتبع أعلمهم، فإن استووا أقرع بینهم۔

(جب زمانہ دینی ضرورتوں کے پورا کرنے والے بادشاہ اسلام سے خالی ہو تو شریعت کے امور علماء کے سپرد ہوں گے اور امت پر ان کی طرف رجوع لازم ہوگا اور یہ حضرات ''والی شرع'' ہوں گے پھر جب کسی ایک عالم پر

سارے لوگوں کا اتفاق دشوار ہو تو ہر صوبہ و گوشہ کے لوگ اپنے یہاں کے علماء کی اطاعت کریں اور اگر علماء زیادہ ہوں تو ان میں کا سب سے بڑا عالم لائق اطاعت ہوگا اور اگر سب علماء علم میں ایک درجہ کے ہوں تو قرعہ اندازی کی جائے)۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ط

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے "اولو الامر" کی۔

ائمہ دین فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ آیہ کریمہ میں "اولو الامر" سے مراد علمائے دین ہیں۔ نص علیہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المواھب وغیرہ فی غیرہ۔

(فتاویٰ رضویہ، ص ۲۰۶، ج ۳)

(۳) تیسری صورت ہے: عمل لوجہ اللہ یعنی بلا نیت اجرت محض رضائے الٰہی کے لئے کوئی شخص یہ دینی کام کرے۔ یہ بلا شبہ جائز و مستحسن ہے اور اس طور پر چندہ کرنے والا مستحق اجر و ثواب۔ جیسا کہ خدائے پاک کا ارشاد ہے:

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ ○

اور جو کوئی اپنی طرف سے بھلا کام کرے تو اللہ نیکی کا صلہ دینے والا خبردار ہے۔ (البقرۃ:۲)

بہار شریعت میں اس صورت کے تعلق سے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ:

"یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب اصل مذہب یہی ہے کہ (اطاعت و عبادت کے کاموں پر) یہ اجارہ ناجائز ہے ایک دینی ضرورت کی بناء پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے تو جس بندۂ خدا سے ہو سکے کہ ان امور کو محض خالصاً لوجہ اللہ انجام دے اور اجر اخروی کا مستحق بنے تو اس سے بہتر کیا بات ہے۔ پھر اگر لوگ اس کی خدمت کریں، بلکہ یہ تصور کرتے ہوئے کہ دین کی خدمت یہ کرتے ہیں ہم ان کی خدمت کر کے ثواب حاصل کریں تو دینے والا مستحق ثواب ہوگا، اور اس کو لینا جائز ہوگا کہ

یہ اجرت نہیں ہے، بلکہ اعانت وامداد ہے۔" (ص ۱۲۶، حصہ ۱۴)

اللہ کا شکر ہے کہ آج کے دور میں بھی بہت سے اللہ کے نیک اور مخلص بندے ہیں جو خالص رضائے الٰہی کیلئے یہ کام کرتے ہیں اور کچھ بھی نہیں لیتے بلکہ کتنے ایسے ہیں جو اس راہ کے مصارف بھی اپنی جیب خاص سے پورے کر لیتے ہیں اور ان اجری الا علی اللہ۔ ان کا شعار ہوتا ہے۔

بہار شریعت کی درج بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کے مہتمم یا دوسرے لوگ اپنے مال سے ایسے شخص کی اعانت کریں تو جائز اور باعث اجر وثواب ہے لیکن مدرسہ کے مال سے اس کی اعانت جائز نہیں کیونکہ وہ مال تو خاص مدرسہ کے مصالح میں صرف کرنے کے لئے ہے تو اسے اعانت مسلم میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا کہ یہ شئی کے مقصود میں تغیر وتبدیل ہوگی جس کی شرعاً اجازت نہیں۔ حتیٰ کہ علماء فرماتے ہیں کہ کسی غرض کے لئے کسی نے چندہ دیا اور کام کے بعد اس میں سے کچھ بچ رہا تو بھی اسے دوسری غرض میں ازخود صرف کرنا حرام ہے بلکہ اسی جیسی دوسری غرض میں صرف کرنا واجب ہے جبکہ چندہ دینے والے کا پتہ نہ چلے اور اگر اس جیسا کوئی دوسرا کام نہ ملے تو فقراء پر تصدق کا حکم ہے اعانت مسلم میں صرف کرنے کی اب بھی اجازت نہیں جیسا کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے ارشادات ذیل سے واضح ہے۔

> "چندہ کا جو روپیہ کام ختم ہو کر بچے لازم ہے کہ چندہ دینے والوں کو حصہ رسد واپس دیا جائے یا وہ جس کام کے لئے اب اجازت دیں اس میں صرف ہو، بغیر ان کی اجازت کے صرف کرنا حرام ہے ہاں جب ان کا پتہ نہ چل سکے تو اب یہ چاہئے کہ جس طرح کے کام کے لئے چندہ لیا تھا اسی طرح کے دوسرے کام میں اٹھائیں مثلاً مسجد کا چندہ تھا، مسجد تعمیر ہو چکی تو باقی بھی کسی مسجد کی تعمیر میں اٹھائیں غیر کام مثلاً تعمیر مدرسہ میں صرف نہ کریں اور اگر اُس طرح کا دوسرا کام نہ پائیں تو وہ باقی روپیہ فقیروں کو تقسیم کر دیں۔ در مختار میں ہے:
>
> إن فضل شيء رد للمتصدق إن علم و إلا كفل به مثله و إلا تصدق به۔
>
> اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں وعالمگیریہ وغیرہما میں ہے" (ص ۳۶۸، ج ۶)

ایک دوسرے مقام پر خانیہ وہندیہ کی عبارتیں نقل فرما کر لکھتے ہیں:

فهذا نص في الترتيب و لا شك أن باختياره يخرج عن العهدة بيقين. ثم هذا و إن لم يكن وقفًا فله شبة به و لا شك أن مراعاة غرض المالك أملك و أحكم فلذا عولنا عليه (ص ۳۴۰، ج ٦)

ظاہر ہے کہ مدرسہ کے لئے جو کچھ وصولی ہوتی ہے وہ مدرسہ کی ضروریات سے عموماً فاضل نہیں بچتی، اور اگر بچے بھی تو وہ اسی کے مصالح میں صرف ہوتی رہتی ہے اور مدرسہ کو ہمیشہ مزید رقم کی احتیاج ہوتی ہے اس لئے اسے غرض مثل میں صرف کرنے یا فقراء پر صدقہ کرنے اور معاونین سے اجازت لینے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور بطور انعام یا اعانت اس میں سے کسی کو دینے کی تو کبھی اجازت نہیں۔ حتیٰ کہ جس مسلم فقیر کے ذریعہ حیلۂ شرعیہ کرایا جاتا ہے وہ اگر رقم دیتے وقت یہ صراحت کر دے کہ مدرسہ کے اغراض و مقاصد میں صرف کرنے کے ساتھ خالصاً لوجہ اللہ وصولی کرنے والوں کو بھی اس میں سے بطور اعانت یا انعام دیا جا سکتا ہے تو بھی اسے نہ دینا چاہئے کیونکہ اہل خیر نے زکوٰۃ اس لئے دی ہے کہ انتظامیہ اس کا حیلہ شرعیہ مدرسہ کے لئے کرائے اور اس میں صرف کرے نہ یہ کہ کسی رضا کار کی اعانت یا انعام کے لئے حیلہ کرائے۔

اس مقام پر دو ضروری باتیں خاص طور سے لائق توجہ ہیں جن کا خیال مدارس کی انتظامیہ اور سفرا کو لازمی طور پر رکھنا چاہئے۔

(۱) شرح کمیشن کی مقدار:

ظاہر ہے کہ زکوٰۃ، فطرہ و دیگر صدقات واجبہ کے مصرف فقرائے مسلمین وغیرہ ہیں مگر دینی علوم کے تحفظ و بقاء اور فروغ و ترقی کی اہم ترین ضرورت کے پیش نظر مدارس اسلامیہ میں ان رقوم کو خرچ کرنے کے لئے حیلۂ شرعی کی اجازت دی گئی ہے۔ اس لئے یہ رعایت ضرور ہونی چاہئے کہ ایسی رقوم کا کثیر و وافر حصہ ان مدات میں صرف ہو جن کا تعلق براہِ راست علوم دینیہ کے تحفظ و بقاء سے ہے۔ مثلاً مدرسین کی تنخواہ، کتابوں کی فراہمی، تبلیغ و اشاعت دین کے دوسرے شعبوں، نیز طلبہ کے لئے روشنی اور خورد و نوش کا انتظام وغیرہ کہ یہی امور حیلۂ شرعی کے جواز کے اصل اسباب و محرکات ہیں۔ سفارت بھی مدرسہ کا ایک شعبہ ہے اس لئے اس کی اجرت بھی اس فنڈ سے دی جا سکتی ہے مگر

☆ملازمین کا فطرہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مالک پر واجب نہیں☆

اس فیاضی وفراخ دلی کے ساتھ نہیں کہ کسی کی مہینہ بھر کی اجرت تیس، چالیس ہزار تک پہنچ جائے کہ یہ شرعی حدود سے تجاوز اور ناجائز وگناہ ہے۔

عجب نہیں کہ بعض بزرگوں نے اپنے فتویٰ عدم جواز میں اس مفسدہ کے سدباب کا بھی لحاظ فرمایا ہو۔

حیلۂ شرعیہ کا جواز بوجہ ضرورت ہے تو جتنی اجرت مقرر کرنے میں یہ ضرورت پوری ہو سکے اس سے زیادہ کے تعین کی قطعاً اجازت نہیں دی جاسکتی۔ الضرورة تتقدر بقدرها۔ اس لئے ہر سفیر کی اجرت یا شرح کمیشن بس اتنی مقرر کی جائے جتنے میں اوسط خرچ کے لحاظ سے اس کے مصارف سفر اور وصولی کے دنوں کی ضروریات پوری ہوسکیں۔ غور فرمائیے کہ عامل جسے قرآن حکیم میں زکوٰۃ کا مصرف بتایا گیا ہے اسے بھی بقدر کفایت ہی دینے کی اجازت ہے، حتیٰ کہ اگر اس کے مصارف زیادہ ہوں یا وصولی کم ہو جس کے باعث وصولی کے بیشتر حصہ یا پوری وصولی سے اس کے ضروریات کی کفایت ہوتی ہو تو اب بقدر کفایت بھی دینے کی اجازت نہیں زیادہ سے زیادہ نصف وصولی سے اس کی خدمت کی جاسکتی ہے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کے اصل مصارف فقرا و مساکین وغیرہ ہیں اور انہیں پر صرف کرنے کے لئے عامل سے زکوٰۃ کی وصولی کا کام لیا جاتا ہے مگر چونکہ وہ اپنے آپ کو اسباب معیشت کی تحصیل سے خالی کر کے دین کا یہ کام کرتا ہے اس لئے ضرورت پیش آئی کہ اس کو گزارہ کے لائق حق المحنت دے کر فارغ البال رکھا جائے تا کہ اس کے اوپر کوئی حرج اور تنگی نہ آنے پائے اور وہ طلب معاش میں مشغول ہو کر کہیں یہ کام چھوڑ نہ دے جس کے باعث وہ مصالح شریعت فوت ہو جائیں جو زکوٰۃ کی مشروعیت کے اصل اسباب ہیں جیسا کہ ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بلند پایہ تصنیف بدائع الصنائع میں اس حکمت کا انکشاف فرمایا اور محقق ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے البحر الرائق میں اس کی توثیق فرمائی۔ الفاظ یہ ہیں:

لأنه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج إلى الكفاية والغنى لا يمنع من تناولها عند الحاجة كابن السبيل۔ (بحر، عن البدائع)۔

عامل کو مالِ زکوٰۃ سے حق المحنت دینا اس لئے جائز ہے کہ اس نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو خالی کر دیا ہے تو وہ بقدر کفایت روزی کا محتاج ہے اور

''مالداری'' بوقت حاجت زکوٰۃ لینے سے مانع نہیں جیسے کہ مسافر کے لئے مانع نہیں۔ (درمختار، ص ۲۸۴، ۲۸۵، ج ۳، باب المصرف)

اب یہاں دو باتیں ہیں۔ دفع حرج اور جلب مصلحت۔ تو شریعت طاہرہ نے دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے یہ فرمان جاری کیا کہ دفع حرج کے لئے بقدر ضرورت مالِ زکوٰۃ سے حق المحنت دیا جائے اور جلب مصلحت کے لئے بقیہ رقم کو اس کے اصل مقاصد میں صرف کیا جائے لیکن جہاں ساری رقم یا اس کے بیشتر حصے سے ضرورت پوری ہو رہی ہو وہاں پر صرف ضرورت کا لحاظ کر کے بنیادی مقاصد کو فوت نہ کیا جائے بلکہ ضرورت اور مقصد شریعت دونوں کی حتی الامکان رعایت یوں کی جائے کہ کم سے کم آدھی رقم ''مقصد شریعت'' کی تکمیل میں ضرور خرچ ہو، اور ''ضرورت عامل'' کے لئے زیادہ سے زیادہ نصف رقم میں تصرف ہو۔ اور یہ رعایت دونوں کے رتبے کے تفاوت کے پیش نظر بہت مناسب ہے اور عقل و قیاس کے قرین وقریب بھی کہ اس طرح سے نہ تو مقصد شریعت فوت ہوا، اور نہ ہی ضرورت عامل سے بے اعتنائی کر کے حرج ومشقت میں پڑنے کا دروازہ کھولا گیا۔ اگر صرف کسی ایک کا لحاظ کیا جاتا تو دوسری طرف مصالح شریعت سے دوری اور راہ حق سے انحراف لازم آتا جو اسلام کے حکیمانہ اصول کے قطعی خلاف ہے۔

اس تفصیل سے اگر ایک طرف ائمہ حنفیہ کی وقت فکر ونظر معلوم ہوتی ہے اور فقہ حنفی کی کتاب وسنت سے عقل و قیاس کے عین موافق ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے تو دوسری طرف مسئلہ دائرہ کے تاریک گوشوں پر بھی بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کی رقوم میں دینی علوم کی بقاوترقی کے اہم ترین مقاصد کے لئے حیلۂ شرعی کی اجازت دی گئی ہے اس لئے بعد حیلہ یہ رقم زیادہ سے زیادہ انہیں مقاصد عالیہ کے حصول میں صرف ہونا ضروری ہے لیکن ظاہر ہے کہ سفرا طلب معاش کے تمام ذرائع سے بے نیاز ہو کر چند دنوں تک صدقات کی وصولی کے لئے اپنے کو فارغ کر لیتے ہیں تو ضرورت ہے کہ عامل کی طرح سے انہیں بھی بقدر کفایت مزدوری دی جائے تا کہ انہیں کوئی حرج وتنگی نہ لاحق ہو اور تحصیل رزق کی فکر میں یہ کام چھوڑ نہ دیں جس کے نتیجے میں اصل مقاصد ہی سے ہاتھ دھونا پڑے۔ لہٰذا دفع حرج اور جلب مصلحت کے لئے سفرا کو حیلۂ شرعی کر کے اجرت دینا جائز ہے لیکن قدر حاجت سے زیادہ ناجائز ہے جیسا خود عاملین کے لئے بھی ایسی زیادتی ناجائز ہے۔

(۲) امانت :

سفرا کی حیثیت اجیر خاص کی ہو، یا اجیر مشترک کی۔ بہر حال وصول کردہ رقم ان کے پاس امانت ہوا کرتی ہے اور وہ اس کے امین ومحافظ ہوتے ہیں جیسا کہ بہارِ شریعت میں ہدایہ و درمختار کے حوالے سے اس کی تصریح کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۴۵۔ ۱۴۹، ج ۱۴، ضمان اجیر کا بیان)

ہدایہ کی عبارت یہ ہے:

فالمشترک من لا یستحق الأجرة حتی یعمل فالمتاع أمانة فی یده. ولا ضمان علی الأجیر الخاص لأن لاعین أمانة فی یده۔

اھ۔ ملخصاً۔

اور امین کا فرض یہ ہے کہ وہ مالِ امانت میں کوئی تصرف اور خیانت نہ کرے اس لئے محصلین کو وصول کئے ہوئے روپے میں سے اپنے طور پر کچھ خرچ کرنا جائز نہیں ان پر واجب ہے کہ خاص اپنا مال یا جس مال میں شرعاً تصرف کی اجازت ہے اسے مصارف سفر وغیرہ میں استعمال کریں ورنہ خیانت کے مرتکب اور گنہگار ہوں گے۔ بعض سفرا کے متعلق سنا گیا کہ وہ اپنی اجرت پہلے ہی وضع کر کے خرچ کر لیتے ہیں، صدقات کی رقوم میں بھی اس سے احتراز نہیں کرتے اور بعض تو کل وصولی خرچ کرنے کے بعد رفتہ رفتہ ادا کر دیتے ہیں یہ سخت بددیانتی اور مالِ امانت میں خیانت ہے۔ ایسے لوگ یہ ناپاک جرم کرتے وقت کیا یہ بھول جاتے ہیں کہ انہیں ایک روز خدائے قہار کے حضور جوابدہ ہونا ہے۔ اللہ رب العزت جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اے ایمان والو! اللہ و رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت کرو۔

نیز دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ○

بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

☆ بیوی کا فطرہ ـــــــــــــ شوہر پر واجب نہیں ☆

حدیث صحیح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منافق کی ایک علامت یہ بتائی کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

عن أبی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال : آية المنافق ثلث إذا حدث كذب و إذا وعد أخلف و إذا أوتمن خان۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (صحیح مسلم شریف، ج ۱، ص ۵۶)

اس لئے مسلمانوں اور خاص کر دین کے خادموں کو اس قسم کے گناہوں کی آلودگیوں سے پاک اور منزہ رہنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ النبی الکریم علیہ وعلی آلہ وصحبہ وازواجہ افضل الصلاۃ والتسلیم۔

کمیشن میں اضافہ کی گنجائش:

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ زکوٰۃ وصدقات کی وصولی کرنے والے سفرا اگر قاضی شرع کے تقرر کے بعد ''عامل'' کی حیثیت سے کام کریں تو انھیں خود مال زکوٰۃ سے بقدر کفایت مزدوری دینا جائز ہے اور اگر اجیر خاص یا اجیر مشترک کے طور پر وصولی کریں تو ضرورت شرعیہ کی بناء پر زکوٰۃ وصدقات کی رقوم سے حیلۂ شرعیہ کے بعد ان کو اجرت دینا جائز ہے خواہ وہ اجرت بنام تنخواہ دی جائے یا بنام کمیشن۔

لیکن یہاں اس حقیقت سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ ''اجارۂ سفارت'' کے لئے حیلۂ شرعیہ کا جواز بوجہ ضرورت شرعیہ ہے اس لئے ہمیں یہاں اس حیثیت سے بھی بڑی سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے کہ اوپر ذکر کئے ہوئے طریقے دور حاضر میں شرعی تقاضوں اور دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کافی ہیں یا نہیں؟

اس بے بضاعت کے خیال میں اجیر خاص والا طریقہ ناکافی ہے، تجربہ شاہد ہے کہ اس قسم کے سفرا نے عام طور سے کوئی ہمت افزا کام نہیں کیا جو کچھ وصول کر کے لائے وہ ان کی اجرت ہی کی

نذر ہو گیا یا برائے نام کچھ فاضل بچ رہا جس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے اندر طمع دنیا خدا ناترسی عام ہو چکی ہے دین اور کے معاملے میں سہولت پسندی وتن آسانی ہمارا شیوہ ہو چکا ہے۔

''اجیر مشترک'' کا معاملہ بظاہر مفید معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ کمیشن پانے کے لئے سفرا وصولی کے بڑھانے میں پوری لگن اور جفاکشی کا مظاہرہ کریں گے اور یہی وجہ ہے کہ آج کل عامۂ مدارس میں یہی طریقہ کار رائج ہے مگر جیسا کہ اوپر بیان ہوا شرح کمیشن بھی بقدر کفایت ہی مقرر کرنے کی اجازت ہے۔ پس اگر اسی کے اعتبار سے کمیشن کا تعین ہو جائے تو شاید سفرا اس کے لئے کم آمادہ ہوں الا ماشاء اللہ اور آخرکار یہ مذہبی ادارے سخت خسارے کا شکار ہوں گے جس کے باعث ادارے بڑی کشمکش اور مخمصہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اب ہمارے سامنے دو ہی صورت ہے یا تو اداروں کو مخمصہ کے حال میں چھوڑ دیں، یا شرع کمیشن میں قدر کفایت پر اتنا اضافہ کیا جائے کہ اس کے حصول کے لئے دلوں میں خواہش پیدا ہو اور سفرا آمادہ ہو سکیں۔

ظاہر ہے کہ دور حاضر میں دین کی حفاظت وصیانت مدارس اسلامیہ پر ہی موقوف ہے اگر وہ خدانہ کردہ بند ہو جائیں تو پھر دین کا خدا حافظ۔ اس لئے ضرورت شرعیہ اس کی داعی ہے کہ کم سے کم وصولی کا فیصد اتنا مقرر کیا جائے جو سفرا کی رغبت اور وصولی میں اضافہ کا باعث بنے تاکہ جس ضرورت کی بناء پر شرع مطہر نے یہ اجارہ جائز قرار دیا ہے وہ ضرورت پوری ہو سکے۔ الضرورۃ تتقدر بقدرھا ضرورت کا لحاظ ضرورت بھر ہوا کرتا ہے اس لئے مسئلہ دائرہ میں قدر کفایت پر ضرورت بھر کا اضافہ جائز ہونا چاہئے۔ عامل کے لئے بھی بقدر ضرورت اضافہ کی گنجائش ہونی چاہئے اگر ایسا ممکن ہو تو محصل کی جگہ عامل سے کام لینے کو ترجیح دینا چاہئے کہ اس میں سہولت زیادہ ہے۔

عالم کی فضیلت

فضل العالِم علی العابد کفضلِ القمرِ علی سائرِ الکواکب

(سنن ابو داود و ترمذی)

ایک عالم کو ایک عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے

جیسی کہ چاند کو دوسرے تمام ستاروں پر (حدث شریف)